ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

انقلاب

قرآن کریم نے اقوام کے عروج و زوال اور تغیر احوال کے متعلق جو کلیہ بیان کیا ہے اس کا اطلاق تمام انسانی تاریخ پر ہوتا ہے اور وہ کلیہ یہ ہے کہ کسی قوم میں کوئی حقیقی انقلاب نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے افراد کے دلوں میں اور زندگی کے زاویۂ نگاہ میں تغیر نہ پیدا ہو،

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

تاسیس پاکستان کے بعد اس خطہ کے عوام یہ توقع رکھتے تھے اور اس کے منتظر ہی نہیں بلکہ بیتاب تھے کہ اب یہاں کا زمین و آسمان بدل جائے گا۔ سب سے پہلے پاکستان کا تصور پیش کرنے والے مفکر و عارف حکیم ملت علامہ اقبال نور اللہ مرقدہٗ نے ایک خوش آیند سعادت آفرین انقلاب کا تصور ان اشعار میں پیش کیا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار — نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن میں ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوتِ رفتار دریا کا مآل — موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

پاکستان کے مسلمان سمجھے کہ اب اس پیش گوئی کے پورا ہونے کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ پاکستان کا مطالبہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ مسلمانان برصغیر اسلامی اقدارِ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک آزاد مملکت کا قیام لابدی سمجھتے ہیں۔ جہاں غیر اسلامی قوانین ان کے لائحہ عمل اور طرزِ زندگی میں مانع نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور

یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ بلکہ زندگی کے اکثر شعبوں میں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس شکست آرزو کا سبب کیا ہے؟ ہو سکتا ہے موجودہ پاکستان مسلمانوں کے نفوس میں کسی انقلاب کی بدولت معرضِ شہود میں نہ آیا تھا۔ وہ خاص طبقات کی طرف سے کچھ سیاسی اور معاشی حقوق و اقتدار کے حصول کی تحریک تھی۔ یہ وہ پاکستان نہ تھا جو اقبال اور اس کے ہم خیال لوگوں کے ذہن میں تھا۔ پاکستان کے حصول کے وقت سیاسی رہبر اور مجالس قانون ساز میں قوم کے نمائندے زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو ذاتی مفاد سے بلند تر کوئی نصب العین نہ رکھتے تھے۔ سرمایہ داری اور وسیع خطوں کی زمینداری کی بدولت وہ ہر جگہ پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ سرکاری عہدہ داروں یا طالبانِ عہدہ کا ایک گروہ تھا جن کے پیش نظر یہ تھا کہ اگر انگریز اور غیر مسلم ہٹ جائیں تو ہم آسانی سے ان کی جگہ حاصل کر سکیں۔ تاجروں کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ تمام بڑی تجارتیں غیر مسلموں کے قبضۂ اقتدار میں ہیں اور مسلمان کو نفع اندوزی کا موقع نہیں ملتا اگر غیر مسلم ہٹ جائیں تو تجارت پر بلا شرکتِ غیرے ہمارا قبضہ ہو جائے۔ ان تمام طبقوں میں ذرہ برابر نفسی انقلاب یا زندگی کے متعلق کوئی جدید اور صالح زاویۂ نگاہ موجود نہ تھا۔ ان تمام طبقات کی آرزوئیں بر آئیں۔ مملکت کے اندر نیچے سے اوپر تک ہزارہا عہدے خالی ہوئے اور ہزارہا جدید عہدے ضرورت نے پیدا کئے۔ مسلمان ملازمین کو جلدی جلدی ترقیاں ملیں۔ مقابلے کا کوئی سوال نہ رہا خود بخود نیچے سے اوپر تک سرکتے گئے۔ تاجروں کے گودام مال سے بھر گئے۔ سرمایہ دار تجارت اور صنعت میں اپنا سرمایہ ہر سال دگنا چوگنا کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے ان طبقوں کے ہاتھ وہ دولت آئی جس کا عشر عشیر اس زمانے میں بھی ان کے پاس نہ تھا جب یہاں اسلامی کہلانے والی حکومتیں موجود تھیں۔ اگر انقلاب کے یہی معنی تھے کہ قوم کے دو فیصد انسان مال اندوزی کی تمنائیں پوری کر لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس حد تک بہت بڑا انقلاب ہوا۔ اگر عہدوں کا حصول مقصود تھا تو وہ آرزو بھی بر آئی انگریز اور ہندو اور سکھ کی جگہ وہ لوگ نظر آنے لگے جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے تھے۔ پہلے مسلمانوں کے پاس بڑے کارخانے نہ تھے اب جا بجا مسلمان بڑی بڑی فیکٹریوں کے مالک دکھائی دینے لگے۔ لیکن مسلمان عوام کو یہ انقلاب مہنگا پڑا۔ زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنا دشوار ہو گیا۔ تاجروں کی نفع اندوزی کی بدولت اشیاء کی قیمتیں ناقابلِ برداشت ہو گئیں۔ درآمد اور برآمد کے لائسنس دو چار ہاتھوں میں بکتے بکتے مال کے دکان یا خریدار تک پہنچنے تک اشیاء کی قیمت کو چار گنا کرنے لگے۔ مردوں کے کفن اور زندوں کی ستر پوشی کے لئے چند گز کپڑا مہیا کرنا عوام کے لئے ایک جانکاہ مسئلہ بن گیا۔

اگر صحیح معنوں میں کوئی انقلاب ہو تو دو تبدیلیاں اس میں لازماً نظر آنی چاہئیں، نظامِ تعلیم میں اہم تغیرات اور آئین و قوانین میں مصلحانہ تبدیلی۔ قبل انقلاب اور بعد انقلاب کے دور میں بین فرق نظر آنا چاہیئے۔ تاریخ میں سے وہ انقلابی تحریکوں کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لیجئے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ تاریخ انسانی میں اسلام

ایک بڑا انقلاب تھا۔ اس انقلاب نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق زاویۂ نگاہ بدل دیا چنانچہ عہد نبوت سے قبل کا دور زمانۂ جاہلیت کہلانے لگا۔ صدرِ اول اسلام کے مسلمان آپس میں جب اخلاقی اور معاشرتی امور پر گفتگو کرتے تھے تو کہتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم یوں سمجھا اور یوں عمل کیا کرتے تھے لیکن اب یوں سمجھتے اور یوں عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رض نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اسلام سے قبل ہم عورتوں کو ایک حقیر جنس سمجھتے تھے اُن کے انسانی حقوق کا کوئی تصور ہمارے ذہن میں نہ تھا۔ اسلام نے ہمیں عورتوں کے حقوق سے آشنا کیا اور ان کے ساتھ ہر لحاظ سے حسنِ سلوک کی تلقین کی۔ زمانۂ حال میں سب سے بڑا انقلاب روس میں ہوا یہاں اس انقلاب کے محرکات اور حسن و قبح سے بحث نہیں لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اشتراکیت نے زندگی کے ہر شعبے میں قوانین کو بدل ڈالا۔ نہ سیاست کا پہلا سا انداز رہا اور نہ معاشرت و معاشیات کا کوئی پہلو اہم تغیرات سے بچ سکا۔ قوانین یکسر بدل گئے۔ عدالت کی ساخت اور اس کے ضوابط بدل گئے۔ نظام تعلیم اشتراکیت کے مقاصد کے مطابق ڈھالا گیا۔

لیکن پاکستان بننے کے بعد کیا ہوا؟ اب تک نظام تعلیم وہی ہے جو ایک غیر ملکی حکومت نے اپنے اغراض مدِ نظر رکھتے ہوئے یہاں قائم کیا تھا۔ نظام تعلیم کا انسانی نفوس پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا سچ کہا تھا کہ ؎ دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے۔ رسولِ کریمؐ نے بھی اپنے مقصدِ بعثت کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اِنّی بعثت معلماً۔ تاکہ میں انسانوں کو ایک نئے انداز کی تعلیم دوں مسلمانوں میں جو نئی سیاست نئی معاشرت اور تہذیب و تمدن کے متعلق جدید زاویہ نگاہ صدرِ اول میں پیدا ہوا وہ اس نئی تعلیم ہی کا نتیجہ تھا۔ پاکستان بننے کے بعد مسلسل یہ تقاضا مختلف افراد کی طرف سے پیدا ہوتا رہتا ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں کوئی اساسی تبدیلی ہونی چاہیئے لیکن یہ تبدیلی کس انداز کی ہو اس کی بابت نہ کہیں اتفاق رائے نظر آتا ہے اور نہ کوئی گرم جوشی۔ نتیجہ یہ ہے کہ درس و تدریس اور مدرسے جس ڈگر پر پہلے چل رہے تھے اسی ڈگر پر آج بھی چل رہے ہیں۔ حالت جوں کی توں ہی نہیں بلکہ تعلیم سے تعلق رکھنے والے متعلمین، مدرسین اور ماہرین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس پہلے نظام میں بھی زوال اور اختلال نظر آتا ہے۔ تعلیم کا معیار پہلے سے زیادہ پست ہو گیا ہے۔ کوئی انقلاب تو در کنار اس قدیم نظام میں بھی ترقی کی بجائے تنزل دکھائی دیتا ہے۔ اس تنزل کے اسباب گوناگوں ہیں۔ مدرسوں کی تعداد میں بے شک اضافہ ہوا ہے اور طلبہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے لیکن معاشی بدحالی کی وجہ سے یہ اضافہ بھی تخریب کا باعث ہوا ہے۔ طالب علموں کے اس ہجوم کے لئے عمارتیں موجود نہیں جن کمروں میں تیس طالب علم بیٹھتے تھے اب وہاں ساٹھ بیٹھتے ہیں۔ معلموں کی تعداد اس نسبت سے بڑھ نہیں سکی اور کثرت سے ایسے لوگ معلم بن گئے ہیں جن میں کچھ استعداد نہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاست — کارِ طفلاں تمام خواہد شد

جب نئی پود کی تعلیم کی یہ حالت ہے تو ایسے مدرسوں سے نکلنے والے نوجوانوں سے تعمیرِ ملت کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملت کو اس زبوں حالی سے کون نکالے اور کیسے نکالے۔ اکثر اہلِ سیاست کا یہ حال ہے کہ ان کو اپنی ذاتی کشاکش سے فرصت نہیں۔ ہر ایک اپنی پگڑی سنبھالنے اور دوسرے کی پگڑی اچھالنے کی فکر میں ہے۔ کسی کو اپنے عہدے پر چند ماہ بھی ٹکے رہنے کا یقین نہیں۔ ایسی حالت میں نہ کوئی منصوبہ بن سکتا ہے اور نہ کسی کو اس پر عمل درآمد کے لئے فرصت مل سکتی ہے۔ آج ایک شخص غدار کہلاتا ہے تو کل وہی شخص سردار ہو جاتا ہے۔ آج عدالتوں میں اس کی روسیاہی ہوتی ہے تو کل وہی سرخرو ہو کر سرخاب کا پر اپنی دستارِ اقتدار میں لگا لیتا ہے۔

یہ تو دنیا طلبوں کی کیفیت ہے مدعیانِ دین اور حامیانِ شرعِ متین کی حالت اس سے بہتر نہیں یہ بزرگانِ ملت آج تک اس پر متفق نہیں ہو سکے کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں۔ قرار دادِ مقاصد میں یہ فیصلہ تو درج کرا دیتے ہیں کہ پاکستان کے آئین و قوانین میں کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ ہی مختلف فرقوں کے علماء جمع ہو کے ہیں اور یہ متفقہ فیصلہ بھی صادر فرماتے ہیں کہ کیا بات قرآن و سنت کے مطابق ہے اور کیا بات اس کے منافی اس کا فیصلہ ہر ایک فرقہ اپنے عقائد کے مطابق کرے گا جس کے معنے یہ ہیں کہ اس میدان میں ہر فرقہ اپنی اپنی بولی بولے گا اور دینی امور میں جن میں آن کے نزدیک سب ہی کچھ داخل ہے، نہ یک دلی کی ضرورت ہے اور نہ ہم زبانی کی۔ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ۔ نہ دستورِ حکومت کے متعلق فیصلہ ہوتا ہے اور نہ ہی دین کا کوئی واضح اور معین نظریہ ہے۔ سیاست میں بھی تشتت اور انتشار ہے اور عقائد میں بھی۔ یہی حال اقتصادی اور معاشی حالت کا ہے۔ معاشی لوٹ پہلے کچھ انگریز کے ہاتھ آتی تھی اور کچھ غیر مسلموں کی جیب میں جاتی تھی۔ اب آن کی جگہ مسلمان مسلمان کو لوٹتا ہے اور اجنبی لٹیروں کے مقابلے میں زیادہ بے دردی سے غارتگری کرتا ہے پہلے لوٹ زیادہ منظم تھی اب بے قاعدہ اور غیر منظم ہے۔ پاکستان زرعی ملک ہے اور اسی فیصد آبادی زمین سے اپنی روزی حاصل کرتی ہے۔ لیکن کاشتکار کی بے بسی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے۔ یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کی آزاد مملکت میں ہمیں کیا حاصل ہوا۔ ان بے زبانوں کو ووٹ مل گیا ہے۔ لیکن خورد و نوش اور پوشش کے معاملے میں وہی ایک روٹی اور ایک لنگوٹی۔ جسے کبھی کوئی جابر زمیندار یا جاگیردار چھین لیتا ہے یا فطرت کی ستم ظریفی سے وہ سیلاب میں بہ جاتی ہے۔

اب قانون اور عدالتوں کی طرف آیئے۔ نہ کسی قانون میں کوئی اہم تبدیلی ہوئی اور نہ عدالتی نظام میں طالبانِ انصاف کے لئے کوئی سہولت پیدا ہوئی۔ انگریزوں نے یہاں قانونی ضابطوں میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کر

کہ جو قضیہ دو چار روز میں طے ہو سکتا تھا وہ اب دس برس میں بھی طے نہیں ہوتا۔ عدالتوں کے خرچے اور وکیلوں کی فیسیں موکلوں کے کپڑے ہی نہیں بلکہ کھال بھی اتار لیتی ہیں۔ غریب کے لئے انصاف کے دروازے عملاً بند ہیں۔ آج تک پاکستان دستور سازی کی کش مکش میں الجھا ہوا ہے۔ لیکن قانون اور عدالتوں کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ عورتوں کو بنیادی حقوق اسلام نے اس درجہ عطا کئے تھے کہ آج تک ان پر اضافہ کرنا ممکن نہیں لیکن پاکستان میں قانونی اور عدالتی کارروائی کا یہ حال ہے کہ کوئی عورت آسانی سے نہ وراثت حاصل کر سکتی ہے، نہ مہر اور نہ نان ونفقہ۔ اول وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے عدالت کا رُخ ہی نہیں کرتیں اور اگر ہمت کر کے عدالت کی طرف رجوع بھی ہوں تو اکثر اوقات خرچہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ فیصلے میں طوالت اس قدر ہوتی ہے کہ مدعیہ کی زندگی کا بہترین حصہ تلف ہو جاتا ہے ؎ تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مارگزیدہ مردہ شود

بعض انصاف طلب عورتوں کے تقاضے سے حکومت نے حال ہی میں ازدواجی اور عائلی زندگی کے مروجہ قوانین پر نظرثانی کرنے کے لئے ایک میرج اینڈ فیملی لاز کمیشن قائم کیا ہے جو شریعت اسلام کی روح کے مطابق ہر شعبۂ زندگی کے قوانین اور عدالتی کارروائی میں ایسی ترمیم کی تجاویز پیش کرے گا جس کی بدولت پاکستان میں عادلانہ نظام قائم ہو سکے۔ لیکن کسے معلوم کہ مجوزہ اصلاحات کا مجلس آئین ساز میں کیا حشر ہوگا۔ پہلے جو کمیشن قائم ہوئے ان کی تجاویز حکومت کے سکریٹریٹ میں طاق نسیاں پر دھری ہوئی کرم خوردہ اور خاک آلودہ ہو گئیں۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو ممکن ہے کہ ان اصلاحات کا بھی یہی انجام ہو۔ اس جھوٹی جمہوریت میں جس کا ڈھانچہ انگریز یہاں نقالی کے لئے چھوڑ گیا ہے کوئی بنیادی تغیر ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے پاکستان کے بہی خواہوں پر مایوسی کی کیفیت طاری ہے ؎

کوئی امید بر نہیں آتی ۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی

لیکن مایوسی کفر ہے اور مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ خدا نے پاکستانیوں کو ایک وسیع خطۂ ارض میں ایک آزاد مملکت عطا کی ہے، ہر قسم کی اصلاح اور ترقی کے مواقع موجود ہیں۔ لیکن ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے بصیرت، ہمت اور ایمان کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں خدا کے ایسے بندے موجود ہیں جن کے اندر یہ صفات اور یہ جذبات پائے جاتے ہیں۔ اگر حالات نے پلٹا کھایا اور ایسے لوگ برسر اقتدار آگئے تو حقیقی انقلاب کا ظہور ہوگا لیکن اس وقت جو لوگ پیش پیش ہیں اور قوم کے خود ساختہ نمائندے اور رہبر بنے بیٹھے ہیں ان سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ یہ پرانے سانچوں میں ڈھلے ہوئے ہیں اور یہ پرانے سانچے غلامی نے بنائے تھے غلاموں کی بصیرت میں حریت کے انداز نہیں ہوتے۔ غلامی غلاموں کے اخلاق اور ان کی نفسیات کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔ اور آقاؤں کے ضمیر بھی مردہ ہوتے ہیں۔ اس وقت تو دیندار ہوں یا دنیا دار قریباً سب کی نفسیات مذموم ہے۔ اصلاح تبھی ہو سکتی ہے یا روشن ضمیر لوگ صاحب اقتدار ہو جائیں یا خدائے مقلب القلوب عوام و خواص کی نفسی حالت میں کوئی انقلاب پیدا کرے۔ اور روئے قرآن حقیقی انقلاب نفسی حالت کے بدلنے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ؎ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند